

## مثنوی ”قطب مشتری“ کا تنقیدی سرمایہ

شمینہ سیف

پی ایچ۔ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

### Abstract:

Qutub Mushtari is a Masnavi-like poetic tale of ancient Deccani literature, in which we can see the literary dispositions and trends found in the era of Qutub Shahi. In the critique of Qutub Mushtari, we not only hear the echoes of the forgotten past, but we can also find the precious treasure of the cultural references. This critical analysis is a great means of information in the arena of critique, encompassing all subjects of sexuality and psychology, Hindu-Muslim civilization, mysticism and philosophy, lingual changes, holistic details, history and sociology into it.

### کلیدی الفاظ:

قطب مشتری، ادبی میلانات، تہذیبی حوالے، جنسی و نفسیاتی پہلو، اسلوبی مطالعہ، سراپا نگاری، رنگارنگی، سماجی و تاریخی حوالے، تنقیدی افق۔

”کدم راؤ پدم راؤ“ کے بعد دکھنی اُردو کی ایک اہم مثنوی ”قطب مشتری“ ہے جسے ملا اسد اللہ وجہی نے ۱۰۱۸ھ بمطابق ۱۶۰۹ء میں لکھا۔ مولوی عبدالحق نے ۱۹۰۳ء میں اور بعد میں حمیرا جلیلی نے اس مثنوی کو مرتب کیا۔ درحقیقت ”قطب مشتری“ ایک نیم تاریخی عاشقانہ نظم ہے، جس میں سلطان محمد قلی قطب بادشاہ گوکنڈہ کے عشق کی روداد رقم کی گئی ہے۔ قصے کا انداز وہی روایتی ہے کہ بادشاہ کے ہاں مدتوں بعد بیٹا پیدا ہوتا ہے، جوان ہو کر شہزادہ خواب میں ایک حسینہ پر مرثتا ہے اور اس کی تلاش و جستجو کی خاطر سلطنت کو ٹھکرا کر پرخطر مہمات سر کر کے بالآخر اُسے پالیتا ہے۔ گیان چند جین کے مطابق وجہی کے عہد میں درباری فضا میں ایسے ہی قصے مقبول ہو سکتے تھے دراصل ”اس عہد کے ادب نواز شعر کو مثنویوں کے لیے افسانے سے بہتر موضوع مل نہیں سکتا تھا۔ زور طبع دکھانے کے جو امکانات یہاں تھے وہ دوسرے مضامین میں ممکن نہ تھے۔“ (۱)

جہاں تک ”قطب مشتری“ کے طرز بیان کا تعلق ہے تو ناقدین اس کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً مولوی عبدالحق نے مقدمے میں وجہی کے کلام کو سلیس اور صاف و ستھرا جانا مگر زبان کی قدامت بیچ میں حائل پائی۔ اسلوب کی جانچ پر کھ کرنے کے لیے انہوں نے بحر و وزن، تشبیہات و استعارات اور اپنے عہد کے تناظر میں الفاظ کی بناوٹ کو پرکھا ہے۔ انہوں نے وجہی کی غزلوں پر ہندی کا اثر غالب پاتے ہوئے فارسی و عربی الفاظ کو ہندی لب و لہجے میں ڈھلتے ہوئے دیکھا اور ایسی غزلوں کی طرف بھی اشارہ کیا جن میں ”عاشق عورت ہے اور مرد معشوق۔ فارسی ہندی الفاظ کا تناسب ایک اور اڑھائی کا پڑتا ہے اور یہی ساری مثنوی کا حال ہے گویا اردو کی ابتدائی ترقی یافتہ صورت ہے۔“ (۲) جو غزل عورت کے منہ سے کہلوائی جائے اسے ”زینتی“ کہتے ہیں۔ ”قطب مشتری“ میں زینتی کے علاوہ ایسی غزلیں بھی وافر تعداد میں موجود ہیں جن میں مرد عاشق اور عورت معشوق ہے اور یہ غزلیں ہیر و کے منہ سے کہلوائی گئی ہیں۔ نسوانی لب و لہجے کی حامل یہ رباعیات بدیع حسینی کو شیریں، دلکش، پاکیزہ اور بالیدہ لگیں، جن میں تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔ انہوں نے ان رباعیوں کا موازنہ اردو ادب کے مایہ ناز شاعروں کے کلام سے کر کے یہ اثر انگیز تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے:

”وجہی کے یہاں قلی کے برعکس خارجیت کا میلان پایا جاتا ہے اس کا آہنگ نشاطی ہے۔۔۔ سادگی زبان و بیان اور آہنگ نشاط کی وجہ سے وجہی داغ کا ہم مشرب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ نسوانی لب و لہجے کے نرم و سبک انداز اور رچاؤ میں قلی سے کمتر سہی غواصی سے زیادہ کامیاب نظر آتا ہے۔“ (۳)

رشید حسن خاں وجہی کے طرز میں شاعری کو کامیاب اور قصہ گوئی کو ناکام خیال کرتے ہیں، اس حوالے سے وہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

”تشبیہ و استعارہ کی جدت و ندرت ہے... روانی کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی مضمون کو سورنگ سے باندھنا اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں اس کے تاثرات تمثیل کی تلاش میں بکھری ہوئی اور منتشر فوجیں ہیں لیکن زور بیان اور ندرت تشبیہ نے ان فوجوں کو ربط و نظم کا پابند کر دیا ہے۔ جزئیات نگاری میں وہ میر حسن کو نہیں پاتا مگر جدت تشبیہ میں وہ نسیم اور حسن سے بڑھا ہوا ہے۔“ (۴)

ایسے ہی تنقیدی خیالات پروفیسر وہاب اشرفی کے ہیں، ان کے مطابق وجہی نے گھسی پٹی تشبیہوں سے اجتناب برتنا ہے اور ان تشبیہات و استعارات کے جال میں جدت کے علاوہ ”شاعرانہ حسن موجود ہے ذہن کی بلندی فکر کی گہرائی و گیرائی نے معلق اور بے ربط اشیاء میں کوئی نہ کوئی نکتہ انسلاک پیدا کر لیا ہے... بے ربطی کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔“ (۵) ان کو وجہی کی زبان مر بوط شاعرانہ صنعت کاری کا نمونہ لگی۔ اسی طرح کے خیالات کے داعی ڈاکٹر جمیل جالبی بھی ہیں، ان کے مطابق روانی اور ربط کسی بھی مثنوی کی کامیابی و اثر آفرینی کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور ”قطب مشتری“ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی روانی و ربط ہے جہاں ”ایک شعر دوسرے شعر میں اس طرح پیوست ہے جیسے ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں اسی وجہ سے اسے روانی اور تیزی کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔“ (۶) نیز

ڈاکٹر جمیل جالبی کو قلمی قطب شاہ کی نسبت وجہی میں فنکارانہ شعور زیادہ بالغ اور منجھا ہوا نظر آیا اور وہ ریختہ کی روایت کا سلسلہ وجہی سے ولی دکنی تک ملاتے ہیں۔

”دکن میں اردو“ کے مصنف نصیر الدین ہاشمی کے مطابق ”قطب مشتری کا اسلوب بیان نہایت پاکیزہ اور زبان بہت صاف ہے۔“ (۷) ”قطب مشتری“ کی لسانی خصوصیات پر سید احتشام حسین نے تفصیلاً لکھا ہے، انہوں نے مثنوی کے اسلوب کو دکنی اردو کے وسطی دور کا کہا ہے جو ماضی و حال کے لسانی سلسلے کو جوڑتا ہے۔ انہوں نے تنوع زبان کو دیکھتے ہوئے وجہی کو بڑا شاعر اور ادیب قرار دیا جو بڑی بے باکی سے الفاظ توڑ مروڑ دیتا ہے اور سنسکرت، فارسی، ہندی اور مہاراشٹری کے الفاظ بے تکلفی سے استعمال کرتا ہے، طرز نگارش میں پنجابی کے اثرات بھی چھائے ہوئے ہیں نیز دراوڑی زبانیں بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچ سکیں علاوہ ازیں وہ دلچسپ انداز بیان جسے انگریزوں سے مخصوص کیا جاتا ہے اس کا چلن بھی وجہی کے ہاں موجود ہے ”قطب مشتری“ کے اسلوب پر طائرانہ نظر ڈال کر احتشام حسین یوں رطب اللسان ہیں: ”قطب مشتری نہ صرف ایک بلند پایہ اور دلچسپ مثنوی کی حیثیت سے مطالعہ کی مستحق ہے بلکہ لسانی معلومات کا ایک اہم خزانہ اس کے اندر پوشیدہ ہے۔“ (۸)

ابوالبرکات کر بلائی نے ”مثنوی قطب مشتری کا تنقیدی مطالعہ“ کے ایک باب میں وجہی کے طرز بیان کا احاطہ کیا ہے، ان کے خیال میں چار سو سال پرانی زبان بلاشبہ آج کے دور میں دشوار و پرکار لگتی ہے مگر ”وجہی کے طرز بیان میں سلاست، روانی اور متنانت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے الفاظ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں وہ جس لفظ سے جو کام لینا چاہتا ہے بہ آسانی لے لیتا ہے۔“ (۹) ”قطب مشتری“ کو مرتب کرتے ہوئے حمیرا جلیلی وجہی کے طریق طرز میں جو دت طبع، دلنشین طرز اداء، جدت طرازی، تخیل و مشاہدے اور بالخصوص تلمیحات کو سراہتی ہیں، ان تلمیحات میں وجہی نے صرف اسلامی، تاریخی و مذہبی واقعات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ”ان کے پہلو بہ پہلو خالص ہندوستانی تاریخی واقعات و ہندو دیومالائی حکایات بھی موجود ہیں جو وجہی کے وسیع مشاہدے کے ساتھ ان کی وسعت نظری اور وسیع قلبی پر دال کرتے ہیں۔“ (۱۰) گراہم بیلی بھی اس مثنوی میں ہندو ستائیت کا اثر غالب پا کر اس اسلوب کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ”اردو اچھی ہے انداز بیان اچھوتا، متنوع اور فطری ہے زبان و خیالات حقیقی ہیں۔“ (۱۱)

”قطب مشتری“ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وجہی نے ”در شرح شعر گوید“ کے عنوان کے تحت شعر و ادب کے بارے میں اپنے بلیغ خیالات کا اظہار کیا ہے، اس حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر جاوید وششت اور قیوم صادق کی تنقیدی آرا قابل غور ہیں۔ وجہی کی ”قطب مشتری“ میں اردو تنقید کی اولین و ابتدائی شکل کا سراغ ڈاکٹر عبادت بریلوی یوں لگاتے ہیں کہ ”اردو شاعروں کا کلام دیکھنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے ذہن میں بھی شعر کا معیار ضرور موجود تھا۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً اپنی منظومات میں اس کا اظہار کیا ہے۔“ (۱۲) ان کے مطابق یہی تنقیدی شعور بعد میں حالی اور شبلی کے ہاں عیاں ہوا ہے۔ اسی طرح کے تنقیدی خیالات کو تقویت دیتے ہوئے قیوم صادق یوں رقم طراز ہیں ”اس پائے کی چیز مولانا الطاف حسین حالی کے مقدمے سے پہلے مشکل سے دستیاب ہوگی۔ اس کی شرح شعر میں تنقید شعر کے بعض ایسے پہلو نکلتے ہیں جو ہر زمانے کے لیے نصب العین کا کام دے سکتے ہیں۔“ (۱۳) ڈاکٹر جاوید وششت نے بھی وجہی کے ان خیالات کو تنقیدی اصول کہا ہے، ان کے مطابق وجہی نے جہاں شعر

کے پیمانے مقرر کیے وہاں وہ اعلیٰ درجے کی تنقید کو تخلیقی عمل قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید وششت ”وجہی کو اردو تنقید کی تاریخ میں، منظوم تنقید کا باوا آدم“ (۱۴) کہتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر سیدہ جعفر وجہی کو مثنوی نگار کے علاوہ ایک بالغ نظر نقاد کہتی ہیں جس کی ”فنی بصیرت، اس کی ژوف نگاہی اور ادبی ذکاوت کا انداز لگانے کے لیے ”در شرح شعر گوید“ کے تصورات موجود ہیں۔“ (۱۵) غرضیکہ شعر و شاعری کے مقاصد اور اس کے حسن و قبح کا جو معیار عہد بہ عہد کی تبدیلیوں سے گزر کر آج ہمارے سامنے موجود ہے غالباً اس قسم کا پہلا بیان ملا وجہی کی ”قطب مشتری“ میں ہے۔

پلاٹ اور کردار نگاری پر کی گئی تنقید کا جائزہ لیں تو رشید حسن خاں نے مثنوی کو دونوں حوالوں سے کمزور قرار دیا ہے۔ رشید حسن خاں کی تنقید کے پیش نظر پلاٹ کی ان کمزوریوں کو ہم نکات کی صورت میں یوں دیکھ سکتے ہیں:

- ۱- قصے میں الجھاؤ اور پیچیدگی بالکل بھی نہیں ہے لہذا یہ سپاٹ پلاٹ جاذبیت سے عاری ہے، نیز پلاٹ میں بعض قصے بے ربطی کا شکار ہیں۔
- ۲- قصے میں مافوق الفطرت عناصر دلچسپی کے فقدان کا باعث بنتے ہیں اور اگر ان کو نکال دیا جائے تو قصے کو چنداں فرق نہیں پڑے گا، مزید برآں مافوق الفطرت عناصر کی مانند بعض ضمنی قصے مثلاً مرتج خاں اور مہتاب کے قصے غیر ضروری لگتے ہیں اور گماں گذرتا ہے کہ انہیں پلاٹ میں زبردستی ٹھونسنا گیا ہے۔
- ۳- وجہی طلسماتی فضا قائم کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے مثلاً اژدھا اور دیو جیسے کردار جب شہزادے کے مقابل آتے ہیں تو بلا پس و پیش ڈھیر ہو جاتے ہیں، علاوہ ازیں شہزادہ خواب میں اور مشتری تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے عاشق بنتے ہیں، یہ عشق بھی فطری نہیں لگتا۔

رشید حسن خاں پلاٹ کے بعد کردار نگاری پر بھی خوب کڑی تنقید کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قصے میں کرداروں کی کثرت سے ان کی شخصیات ابھر نہیں پاتی ہیں مثلاً مہتاب اور مشتری کے کرداروں میں اگر فرق ہے تو صرف ناموں کا۔ قصے میں سارے نام قطب شاہ کی رعایت سے آتے ہیں یوں ”یہ سارے اجرام فلکی قطب شاہ کے گرد ہی گھومتے نظر آتے ہیں لیکن جب خود قطب گردش میں ہوتا ہے تو یہ نظام شمسی درہم برہم ہوتا نظر نہیں آتا ہے۔“ (۱۶) نیز انہوں نے عطار دے کردار کو ہیر و سے زیادہ اہم تصور کرنے اور مافوق الفطرت کرداروں کو کمزور دکھانے کو بھی کردار نگاری کی کمزوری تصور کیا ہے۔ رشید حسن خاں کے خیالات کی بھرپور حمایت ابوالبرکات کر بلائی بھی کرتے ہیں، وہ ”قطب مشتری“ کو پلاٹ اور کردار نگاری کے حوالے سے کمزور خیال کرتے ہیں۔ وہ بحوالہ پلاٹ جہاں رشید حسن خاں کی بیان کردہ تمام خامیاں گنواتے ہیں وہاں وہ پلاٹ میں جذبات نگاری، سراپا نگاری اور منظر کشی جیسی خصوصیات کی کمی بھی محسوس کرتے ہیں۔ جذبات نگاری کے حوالے سے ان کا خیال ہے کہ وجہی صرف جنسی جذبات بیان کرنے کی بھرپور قابلیت رکھتا ہے جبکہ منظر نگاری کے حوالے سے ابوالبرکات کر بلائی ”قطب مشتری“ کو اپنے عہد کا اولین نقش قرار دے کر مثنوی کو اس خامی سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ سراپا نگاری کے حوالے سے انہیں صرف مشتری اور مہتاب کے سراپے بہتر لگے اور ہیر و کا سراپا، شکل و شہادت، عادات و خصائل اور لباس و معاشرت کا سرے سے قصے میں ذکر موجود نہ ہونا انہیں قدرے گراں گذرا ہے اور وہ سراپا نگاری کے حوالے سے میر

حسن اور وجہی کا جب تقابلی جائزہ لیتے ہیں تو ان کو ”سحر البیان“ کا مصنف سراپا نگاری پر کمال ماہر لگتا ہے جو کرداروں کے نہ صرف خدوخال مرتب کرتا ہے بلکہ ان کو متحرک دکھاتا ہے جبکہ اس کے برعکس ”قطب مشتری“ کے کردار:

”کاٹھ کے بھدے بھدے گھوڑے ہیں... خیالات کی زین ان میں کسی پر پوری طرح نہیں

کستی یہ وہ گھوڑے ہیں جو چلتے نہیں چلائے جاتے ہیں۔ ملا وجہی نے کرداروں کا سراپا بیان

نہیں کیا ہے بلکہ لفظوں کے گل اور بوٹے کھلائے ہیں۔“ (۱۷)

علاوہ ازیں ہیر و کے کردار کے حوالے سے ابوالبرکات کربلائی کی تنقید عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایک طرف تو انہیں ہیر و کا مافوق الفطرت عناصر سے لڑنا اور سفری مشکلات کو حل کرنا مبالغہ آرائی لگتا ہے جس کی وجہ سے انہیں ہیر و نہ مافوق الفطرت شے لگتا ہے اور نہ انسان بلکہ دونوں کے درمیان معلق لگتا ہے جبکہ دوسری طرف قلی قطب شاہ (ہیر و) کا کردار انہیں نہ صرف مثنوی ”سحر البیان“ کے ہیر و بے نظیر بلکہ تمام اردو مثنویوں کے ہیر وں سے زیادہ بہتر، متحرک اور فعال لگتا ہے۔ ابوالبرکات کربلائی کے نزدیک شہزادہ بے نظیر رونے دھونے کے سوا کچھ نہیں کرتا ہے لیکن ”قطب مشتری“ کا ہیر و ”ہر جگہ اپنے گوہر مقصود کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اردو کی داستانی مثنویوں کے ہیر وں سے ”قطب مشتری“ کے ہیر و کا مقابلہ و موازنہ کرتے ہیں تو محمد قلی قطب شاہ برتر و افضل نظر آتا ہے۔“ (۱۸) یوں وہ جس چیز کو ہیر و کے کردار میں وجہی کی مبالغہ آرائی قرار دے کر ہدف تنقید بناتے ہیں، اسی چیز کو آگے چل کر تمام داستانی مثنویوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ ابوالبرکات کربلائی کو مشتری کے کردار میں تشنگی کا احساس ہوتا ہے، انہیں اپنے جذبات اور نفسیات سے وہ قاصد لگتی ہے۔ انہوں نے مرتجخاں کے کردار کو جمہولیت و انفعالیات اور عطار کو عقل و سمجھ کا نمائندہ جانا۔

وہاب اشرفی بھی پلاٹ اور کردار نگاری کی تنقید کے حوالے سے رشید حسن خاں اور ابوالبرکات کربلائی کے نقش قدم پر چلتے ہیں، وہ پلاٹ کو ناقص قرار دیتے ہیں اور کردار نگاری کے حوالے سے یوں ارشاد کرتے ہیں:

”وجہی کو کردار نگاری پر دسترس نہیں ہے۔ ماحول کے تغیر و تبدل کا ان کرداروں پر کوئی اثر نہیں ان کی شخصیتیں پگھلا کر نہیں یہ کردار غیر فطری اور مصنوعی ہیں۔“ (۱۹) رشید حسن خاں، ابوالبرکات کربلائی اور وہاب اشرفی کی طرح ”دکھنی درپن“ کے مصنف جاوید و ششٹ ”قطب مشتری“ کے پلاٹ میں وجہی کی بے توجہی اور بے نیازی کو بڑا عیب تصور کرتے ہیں جس سے داستان کی فضا میں ”احساس تناسب کا فقدان ہے۔ طلسماتی فضا قائم کرنے میں وجہی بری طرح ناکام رہا ہے۔ مافوق الفطرت دیو اور اژدھے اتنے کمزور اور بے عمل ہیں گویا ان میں جان ہی نہ ہو۔“ (۲۰) وہ پلاٹ میں ضمنی قصوں کو غیر ضروری تصور کرتے ہیں جو داستان در داستان کی روایت کی خانہ پری کے لیے نظم کیے گئے ہیں، انہیں یہ واقعات غیر ضروری اور غیر فطری لگتے ہیں، مثلاً مہتاب پری اور قطب شاہ کو زبردستی اور بلا جواز بہن بھائی بنا دینا ایک غیر فطری واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ جاوید و ششٹ چاہتے تو مہتاب پری اور قلی قطب شاہ کے اس رشتے کو اخلاق کا اعلیٰ درجہ کہہ سکتے تھے مگر یہ تو ہر نقاد کا اپنا زاویہ نظر ہے جس کے تحت وہ تنقیدی خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

اس کے برعکس محمد مرتاض الدین نے وجہی کے ہیر و کو اخلاقی حوالے سے تندرست تصور کیا ہے اور وہ ”قطب مشتری“ کو بحوالہ کردار نگاری ”گلزار نسیم“ سے اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ ”قطب مشتری“ کا ہیر و اپنے ارادوں میں مصمم ہے راستے میں اسے مہتاب ملتی ہے تو اسے بہن بنا لیتا ہے اُس کی بھی ہزاروں خواہشیں ہیں مگر وہ ”گلزار نسیم“

کے ہیرو کے برعکس ”کروٹ کروٹ دلیر، محمودہ، چتراوٹ اور بکاؤلی کو لئے نہیں پھر تا وہ حسن کی تلاش میں روانہ ہوتا ہے اُسے ہی حاصل کرتا ہے راستے میں گلزار نسیم کے ہیرو کی طرح ”چراغ اور فتنیلے“ کی بلا میں گرفتار نہیں ہوتا۔“ (۲۱) محمد مرتاض الدین نے جہاں قصے کو سراہا ہے وہاں وہ منظر نگاری کو مسحور کن حد تک کامیاب قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق عصر حاضر میں سائنس کی بدولت جہاں زندگی پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو گئی ہے وہاں یہ دیو اور اژدھے کو مارنا محض خام خیالی لگتا ہے۔ زندگی سے مقابلہ وجہی سے قبل اور بعد میں بھی ہر فنکار کے ہاں موجود ہے، اس طرح کے معاملات و مسائل اور زیست کے مختلف رخ مصنفین نے ہر دور میں بیان کیے ہیں چاہے وہ ورڈور تھ ہو یا فیض۔ محمد مرتاض الدین کا خیال ہے کہ وجہی کے ہاں دیو سے مراد مصائب ہیں اور یہ تلخی زندگی:

”وجہی کے وقت میں بھی تھی آج بھی ہے مگر زندگی کی شب تاریک میں فنکار اپنی مشعل  
دل روشن کرتا آیا ہے... وجہی نے بھی ایک عظیم فنکار کی طرح ستم ظریفی حالات سے نپٹنے  
”دیو“ کو تہ تیغ کرنے اور سعی عمل کی ترغیب دی ہے۔“ (۲۲)

رشید حسن خاں کو ”اردو کی تین مثنویاں“ میں یہ مثنوی اپنے زمانے کی معاشرت، تمدن اور انداز فکر کے مطابق لگی جہاں مسلم مذہب پرستی (آیت الکرسی پڑھ کر دم کرنا) اور ہندو علم الاصلنام (مچھلی اور گائے کا زیر زمین ہونا) قدم بہ قدم رواں دواں ہیں۔ رشید حسن خاں کی اسی طرز تنقید کا چربہ وہاب اشرفی کے ہاں ہے، وہ ہو بہو رشید حسن خاں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہی کی بیان کردہ مثالوں کی مدد سے ”قطب مشتری“ کو ہندو مسلم اتحاد اور مذہبی رواداری کی بہترین مثال کہتے ہیں جو اپنے عہد کے ثقافتی، سماجی، مذہبی اور تاریخی پس منظر کی عکاسی کرتی ہے۔ رشید حسن خاں اور وہاب اشرفی کے تنقیدی بیانات کو عبدالقادر سروری یک قلم مسترد کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ”داستان مہماتی ہے لیکن اُس میں اس عہد کی حقیقی زندگی کے عکس نہیں ملتے۔“ (۲۳) ایسے ہی تنقیدی خیالات کو ابوالبرکات کر بلائی تقویت دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ مثنوی ”قطب مشتری“ اپنے ماحول کی پیش کش سے قاصر ہے دراصل وجہی کو ”واقعہ نگاری خوب آتی ہے جذبات نگاری کا وہ بادشاہ ہے تشبیہ و استعارہ کا خوب بصورت استعمال کرتا ہے لیکن ماحول بندی سے نابلد ہے۔“ (۲۴)

قدیم ادب کی تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسن کی تصنیف ”قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ“ میں مختلف مثنویوں پر ان کا تنقیدی نقطہ نظر انفرادیت، عصریت، جمالیاتی اور عصری تقاضوں سے تشکیل پاتا ہے۔ ایک سنجیدہ نقاد ہونے کے ناطے وہ مثنویوں کے ساتھ مصنف اور اس کے عہد کے مطالعے کو ضروری گردانتے ہیں۔ انہوں نے ”قطب مشتری“ کو بھی سائنٹفک نقطہ نظر اور اُس دور کے تناظر میں رکھ کر مدلل انداز سے اپنی تنقیدی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن ”قطب مشتری“ کو محض نقلی قطب شاہ کی منظوم عشقیہ داستان ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس عشقیہ مثنوی کو آفاقی تصور کرتے ہوئے وہ یہ تاثر دیتے ہیں:

”انسان دوستی۔ آزاد خیالی اور وسیع المشربی کی روایت کو پروان چڑھائے، عشق یہاں پوری  
زندگی پر محیط ہے اور وہ نہ محض روحانی جذبہ ہے نہ متصوفانہ اور ماورائی... عشق گویا شائستگی  
کی نشانی ہے اور تہذیب و تمدن کی علامت ہے۔“ (۲۵)

ڈاکٹر محمد حسن کا خیال ہے کہ شہزادے کی داستان کے پس پردہ یہ مثنوی ہندوستان کے انسانوں کے درمیان باہمی سماجی و مادی رشتوں کی رہنما ہے جو مذہب اور ذات سے بالاتر ہو کر اپنے عہد کے تہذیبی مرکب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کے تنقیدی خیالات کی تائید ابوالخیر کشفی بھی کرتے ہیں، وہ اس مثنوی کے اندرون میں جھانک کر اس عہد اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کو جانچتے ہیں جہاں ”عشق کو گناہ ابن آدم“ نہیں بلکہ توفیق سمجھا جاتا تھا۔“ (۲۶)

جہاں تک ماحول کے اثرات کو نفوذ کرنے کی بات ہے تو رشید حسن خاں کا خیال ہے کہ وجہی کے دور میں دکن کے سماجی حالات لکھنؤ کے سماجی حالات سے مماثل تھے جہاں عیش کوشی اور جنس پرستی کی بہتات تھی اور ہندو عورتیں محلات میں موجود تھیں۔ رشید حسن خاں نے امام غزالی کے ارشادات کو بنیاد بنا کر جنس کے پہلوؤں پر بڑی بلیغ اور فہم و فراست پر مبنی تنقید کی ہے۔ ان کے خیال میں عقلی اعتبار سے ادنی مخلوق میں جنس کا جذبہ وافر موجود ہوتا ہے مثلاً انسان اور حیوان، بوئی اقوام عالم میں اگر نظر دوڑائیں تو پست قومیں جنسی جذبے میں ترقی یافتہ قوموں سے طاقت ور ہیں مثلاً ایک جشی میں سفید فام انگریز کی نسبت جنسیت زیادہ تو انا ہے۔ جنس اقوام عالم میں نہ صرف حیا اور شرم کو ناپنے کا بیانا ہے بلکہ انحطاط کی بھی خبر دیتا ہے۔ ”قطب مشتری“ میں بھی اپنے عہد کی عریاں نگاری اور فحاشی کا پتہ ملتا ہے جہاں لذتیت کا عنصر نمایاں ہے۔ رشید حسن خاں نے ”قطب مشتری“ میں جنسیت کے برملا اظہار کا تقابلی جائزہ اُردو کے دوسرے مثنوی نگاروں سے لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نسیم نے رمزیت اور اشاریت کی آڑی ہے اور جا بجا علامتوں کا استعمال کیا ہے تاکہ جنسی جذبات ڈھکے چھپے رہیں حالانکہ نسیم عمر میں وجہی سے بہت چھوٹا تھا علاوہ ازیں نسیم اور وجہی کے ادوار کو اگر یہ نظر غائر دیکھیں تو:

”نسیم جس دور سے متعلق ہیں وہاں وہ وجہی سے زیادہ بے باک بھی ہوتے تب بھی برانہ  
سمجھا جاتا لیکن وجہی تو دیکھیے وہ نہ امانت سلکھنوی کی طرح لطیف استعاروں کا استعمال کرتا ہے  
نہ نسیم کی طرح رمزیت، ابہام اور اختصار سے کام لیتا ہے اور نہ میر حسن کی طرح تشبیہ اور  
اشاریت کی آڑ لیتا ہے۔“ (۲۷)

رشید حسن خاں وجہی کی اس جنسیت اور لذتیت کے اظہار کو اس کے تحت الشعور کا غماز بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر محبوب علی قریشی ”قطب مشتری“ کے ہیر و کو گوشت پوست کا انسان کہتے ہیں اور جنس کو اس کی فطری جبلت قرار دیتے ہیں جس کے درپردہ وجہی تحت الشعور میں لذتیت کی خاطر حسیناؤں کی ایک ایک ادا پر خود تڑپتا ہے لیکن ”یہ تڑپ یا جنسی کشش عریانی کی حد تک ہے فحش و رکیک نہ بن سکی یہی صنایع اور آرٹ ہے۔“ (۲۸) لیکن آگے چل کر وہ اپنی تنقیدی آرا کی خود ہی نفی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور ہیر و اور ہیر وئن کی پہلی ملاقات میں جذبہ بوالہوسی کار فرما پا کر خوب کڑی تنقید کرتے ہیں علاوہ ازیں دونوں کی شادی اور اختلاط کا نقشہ کھینچنے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ لہذا محبوب علی قریشی کے جنسی تلذذ کے متعلق یہ تنقیدی خیالات ابہام کا شکار ہیں۔

مثنوی میں علامتوں اور رمزیت کی گرہیں ڈاکٹر نسیم کا شمیری نے کھولی ہیں اور وہ شہزادے کے خواب کو تمثال کی صورت میں دیکھتے ہیں جہاں ”بن“، ”جنگل“، ”تیر اور لا شعور کے علاوہ انفرانس اور جبلت سے منسوب ہے، ”پھول“، ”روح کی علامت ہے، ”ہسان“، ”تخلیقی قوت“، ”زمین“، ”ناہیثیت کی مظہر ہے اور ”جھاڑ کا درخت“ ملاپ سے

وابستہ ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری استعاراتی حوالے سے یہ باور کرواتے ہیں کہ ”یہ سب تمثالیں شہزادے کو تخلیق، افزائش، مہم، ماورائیت، حسن و جمال اور سبجگ کی طرف دعوت دے رہی ہیں۔“ (۲۹) وہ مدلل انداز سے خواب کو تمثالوں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔

”قطب مشتری“ پر کی گئی تمام تنقید کا مجموعی طور پر تجزیہ کریں تو ناقدین نے طرز بیان کی تعریف و تحسین کی ہے۔ پلاٹ، کردار نگاری، سراپا نگاری اور منظر نگاری کے حوالے سے اس مثنوی کو رشید حسن خاں، وہاب اشرفی، ابوالبرکات کربلائی اور حمیرا جلیلی نے انتہائی کمزور گردانا ہے، تمام ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ بارہ دنوں میں لکھی گئی اس مثنوی میں انعام و اکرام کے لالچ نے قصہ پن، کردار نگاری اور پلاٹ وغیرہ دوسری خوبیوں کو ہادیا ہے اور نتیجتاً اردو ادب میں یہ مثنوی ادبی و فنی خصوصیات کی بجائے تاریخی حیثیت سے معتبر ہے۔ جہاں اس مثنوی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا وہاں ایسے ناقدین بھی موجود ہیں جنہوں نے اسے خوب سراہا ہے۔ رشید حسن خاں اور دوسرے ناقدین کے تنقیدی خیالات کے برعکس م۔ن سعید ”قطب مشتری“ کو اردو کی پہلی رومانی مثنوی کہتے ہیں جس میں:

”نفیسات انسانی کی وقیح جھلکیاں بھی ہیں اور حقیقی کردار نگاری کے جاندار مرقعے بھی۔ اس میں خوبصورت منظر نگاری کے دلچسپ حصے بھی اپنے زمانے کے فطری مکالمے بھی۔ اچھوتی تشبیہات اور صنائع بدائع واقعی زیور کلام معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ”قطب مشتری“ اردو شاعری کی دنیا کا پہلا اور آخری واقعہ تھا کہ ایک بادشاہ وقت کی داستان محبت اس کی اپنی حیات میں نظم کی گئی ہے۔“ (۳۰)

م۔ن سعید نے مثنوی کی خصوصیات اور خوبیوں کی طویل فہرست تو بنا ڈالی ہے مگر مثالوں اور دلائل سے اپنی تنقید کو تقویت دینے سے قاصر ہیں۔ علاوہ ازیں محمد مرتاض الدین نے اپنی تنقید میں ”قطب مشتری“ کی کردار نگاری کو جاندار اور قصے کو اپنے ماحول کے عین مطابق پایا، وہ فن پارے کو ذوق جمال کی تسکین کے ساتھ فلسفہ اخلاق و تمدن اور طرز حیات کا مجموعہ کہتے ہیں۔ محمد مرتاض الدین اتنی ساری خصوصیات کے سامنے اہل مغرب کے ادباء کو وجہی کے مقابلے میں حقیر جان کر لکھتے ہیں:

”آسکر وانلڈ اور لارڈ آئیری فن برائے فن کے علمبردار ہوئے کہ ادب کا زندگی کے ساتھ جو نازک رشتہ ہے، وہ مجروح ہوئے بغیر نہ رہ سکا اسی طرح اس عہد کے عظیم فنکار شاعر ابن پر زندگی اس حد تک پیرتسمہ پاکی طرح سوار ہوئی کہ باریک اور لطیف فنی رکھ رکھاؤ اور حُسن کا گلا اکثر گھٹنے لگا ہے لیکن وجہی کے یہاں شروع سے آخر تک ایک حسین توازن، بات میں ٹھہراؤ جذبے پر فنی ضبط اتنی صلاحیتوں کا وہ اس زمانے میں کیسے حاصل ہو سکا۔ ایک نابغہ کی طرح ایک ”جینیس“ کی طرح وجہی... صرف تاریخی حیثیت سے ہی نہیں۔ ادبی اور فنی حیثیت سے بھی ہم اسے کسی قدم پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔“ (۳۱)

محمد مرتاض الدین کی اس تنقید میں خوش عقیدگی کا پہلو قدرے زیادہ ہی موجود ہے۔

کسی بھی فن پارے کا ارتقائی عمل اس کی تخلیق کے ساتھ ہی اس پر تنقید سے راست تناسب میں ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجے کا مصنف اپنی تصنیف پر تنقید بھی بہتر انداز سے کر سکتا ہے، معیاری تنقید ہی معیاری تخلیق کے سفر

میں مہمیز و زار راہ ہوتی ہے۔ وجہی نے بھی ”قطب مشتری“ کے آغاز پر اپنے تنقیدی خیالات بیان کیے ہیں، ان تنقیدی خیالات کو ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر جاوید وششٹ، ڈاکٹر سیدہ جعفر اور ڈاکٹر قیوم صادق اردو تنقید کے ارتقاء میں سنگ میل کے طور پر دیکھ کر اس کی ستائش کرتے ہیں۔ ”قطب مشتری“ کی لسانی تنقید کے حوالے سے مولوی عبدالحق، احتشام حسین اور رشید حسن خاں کی تنقیدی آرا زیادہ معتبر اور بھرپور ہیں، ان کے تنقیدی خیالات میں اسلوب کی ساخت اور بناوٹ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ”قطب مشتری“ کے تقریباً سبھی فنی و ادبی حوالوں کو ناقدین نے اپنی تنقیدی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ رشید حسن خاں کی تنقید ہشت پہلو ہے جو ”قطب مشتری“ کے تمام تنقیدی حوالوں کو اپنے اندر سمونے ہوئے ہے نیز وہ تشریحی اور تقابلی طریقہ تنقید کا بھی بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ ”قطب مشتری“ پر ان کی تنقید خاصی پہلو دار ہے، انہیں تاریخی و ثقافتی شعور بھی ہے اور زبان و لسانیات پر بھی ان کی گرفت مضبوط ہے۔ ”قطب مشتری“ پر تنقید کرتے ہوئے رشید حسن خاں نے ہندوستان کی ثقافتی تاریخ میں ہندلمانی دو مختلف ثقافتوں کے اختلاط کے نقوش بھی واضح کیے ہیں۔ ابوالبرکات کربلائی کی کتاب ”مثنوی قطب مشتری کا تنقیدی مطالعہ“ اور وہاب اشرفی کی تصنیف ”قطب مشتری اور اس کا تنقیدی جائزہ“ تقریباً رشید حسن خاں کے تنقیدی خیالات کی عکاس لگتی ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ”قطب مشتری“ میں بیک وقت جمالیاتی اور عارفانہ تنقیدی سوچ سے استعاراتی رموز و علامات کو حل کرنے کی عالمانہ سعی کی ہے۔ انہوں نے عقلی سطح پر مختلف واقعات میں علامتی و استعاراتی معنویت کو بہتر انداز سے بیان کیا ہے اور مختلف حالتوں میں ذات کی شناخت و ادراک کر کے ذات اور کائنات کے نہاں خانوں میں چھپے خزینوں کی دریافت کی ہے۔ انہوں نے باطنی و خارجی انسانی وارداتوں و کیفیتوں کا تنقیدی مطالعہ عالمانہ شعور اور منطقی استدلال سے کرتے ہوئے اس مثنوی کے تنقیدی سرمائے کو روشنیوں سے منور کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے وجہی کے عہد کی تہذیبی و ثقافتی شناختوں کے نشانات کو ”قطب مشتری“ میں ڈھونڈا ہے۔ بلاشبہ تخلیقات میں عصری شعور اور سماجی محرکات کے آثار موجود ہوتے ہیں لہذا نقاد کے لیے ضروری ہے کہ تخلیق کار کے ماحول اور عہد کو پس پشت نہ ڈالے۔ بعض مخصوص سماجی عقائد، توہمات و رسومات جو بظاہر خود رو لگتے ہیں لیکن درحقیقت ان میں صدیوں کے انسانی شعور، سماجی و تمدنی بُعد اور تہذیبی تغیرات کے اندازہائے فکر موجود ہوتے ہیں، جن کے تنقیدی مطالعے سے جہاں ایک طرف نئی جہات کے درواہ ہوتے ہیں وہیں دوسری طرف ادب کے مختلف ارتقائی ادوار، دستاویز اور فکری تحریکوں کا جائزہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ”قطب مشتری“ پر تنقید کرتے ہوئے رشید حسن خاں، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ڈاکٹر وہاب اشرفی، ڈاکٹر ابوالبرکات کربلائی اور ڈاکٹر جاوید وششٹ نے اس کلاسیکی ادب میں متنوع اور رنگارنگ تنقیدی پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے، مزید برآں ان ناقدین کے تنقیدی خیالات میں جدید علوم اور نئے تنقیدی نظریات کا چلن ہے۔ ”قطب مشتری“ پر تنقید کرتے ہوئے مذکورہ ناقدین نے لسانی و ادبی، جنسی و مذہبی، تہذیبی و تاریخی اور ذہنی و فکری عوامل کو پرکھنے کے لیے بشریات، فلسفہ، نفسیات، لسانیات، اقتصادیات اور تاریخ و عمرانیات کے جدید علوم سے استفادہ کیا ہے۔ جاوید وششٹ نے دلائل و توجیحات سے اس مثنوی کے فنی و ادبی حوالوں کو اپنی تنقیدی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ سید احتشام حسین نے ”قطب مشتری“ کی لسانی خصوصیات کو واضح کرنے کے لیے اس قدیم زبان کے طرز نگارش میں مختلف زبانوں کے اثرات کی نشاندہی کی۔ حمیرا جلیلی کا مقدمہ نہایت

معتدل اور متوازن تنقید کی مثال ہے، اسلوب پر تنقید کے پیش نظر ان کے خیالات سے وجہی کی زبان کی ہیئت، ساخت اور بناوٹ کو بہتر طور سے سمجھا جاسکتا ہے، انہوں نے مولوی عبدالحق، رشید حسن خاں اور سید احتشام حسین کی مانند ”قطب مشتری“ میں موجود لسانی اور زمانی تبدیلیوں کی نشاندہی کی۔ اس مثنوی پر کی گئی تنقید کا تجزیہ کرنے سے یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ اردو شاعری میں جنسی تلمذ کا نقطہ آغاز اسی سے ہوا، یہاں عشق اور جنس دونوں سے وجہی جو بن کو دلکش و پرکشش انداز میں بیان کرتا ہے، رشید حسن خاں اور ڈاکٹر محبوب اعلیٰ قریشی نے اس عشقیہ بیانیے میں بڑی چابکدستی سے نفسیاتی پیش کش کو بھی دیکھا ہے۔

## حوالہ جات

- ۱۔ گیان چند، اردو مثنوی شمالی ہند میں (جلد اول)، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۱۹
- ۲۔ عبدالحق، مولوی (مرتب)، قطب مشتری تصنیف ملا وجہی، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۰۳ء، ص: ۱۸
- ۳۔ بدیع حسینی، دکن میں ریختی کا ارتقا، انجمن ترقی اردو، حیدرآباد، سن، ص: ۲۵۶
- ۴۔ خان رشید، اردو کی تین مثنویاں، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۰ء، ص: ۱۵۶-۱۵۷
- ۵۔ وہاب اشرفی، قطب مشتری اور اس کا تنقیدی مطالعہ، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، بار دوم، ۲۰۰۴ء، ص: ۸۴
- ۶۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو (جلد اول)، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۴۰
- ۷۔ ہاشمی، نصیر الدین، دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص: ۸۵
- ۸۔ احتشام حسین، سید، قطب مشتری کی لسانی خصوصیات، مشمولہ نقوش (ماہنامہ)، شمارہ ۱۹-۲۰، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص:

۱۹۰

- ۹۔ ابوالبرکات کربلائی، مثنوی قطب مشتری کا تنقیدی جائزہ، نصرت پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۱۴
- ۱۰۔ حمیرا جلیلی (مرتب)، قطب مشتری۔ اسد اللہ وجہی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۰-۲۱
- ۱۱۔ ٹی گراہم بیلی، اردو ادب کی تاریخ، مترجم و مرتب: سید محمد عصیم، تاج پرنٹرس، دہلی، ۱۹۹۳ء، ص: ۵۰
- ۱۲۔ عبادت بریلوی، اردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، طبع سوم، ۸۰-۱۹۷۹ء، ص: ۹۰
- ۱۳۔ قیوم صادق (مرتب)، دکنی غالب۔ ملا وجہی، صفدری پریس، میسور، ۱۹۷۳ء، ص: ۷۴
- ۱۴۔ جاوید وششٹ، ہندوستانی ادب کے معمار ملا وجہی، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ص: ۴۷
- ۱۵۔ سیدہ جعفر، تاریخ ادب اردو۔ ۱۷۰۰ء تک (جلد سوم)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، جولائی ستمبر

۱۹۹۸ء، ص: ۳۷۵

۱۶۔ خان رشید، اردو کی تین مثنویاں، ص: ۱۳۶

۱۷۔ ابوالبرکات کربلائی، مثنوی قطب مشتری کا تنقیدی جائزہ، ص: ۱۰۴

۱۸۔ ایضاً، ص: ۶۳

۱۹۔ وہاب اشرفی، قطب مشتری اور اس کا تنقیدی مطالعہ، ص: ۸

۲۰۔ جاوید وششٹ، دکھی درپن، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص: ۸۶

- ۲۱۔ محمد مرتاض الدین، قطب مشتری، مشمولہ آجکل، شمارہ ۳۲-۲۸، دہلی، جون ۱۹۵۹ء، ص: ۳۲
- ۲۲۔ ایضاً، ص: ۳۰
- ۲۳۔ سروری، عبدالقادر، اردو کی ادبی تاریخ، میسرز شیخ محمد عثمان اینڈ سنز، کشمیر، ۱۹۷۵ء، ص: ۱۳
- ۲۴۔ ابوالبرکات کربلائی، مثنوی قطب مشتری کا تنقیدی جائزہ، ص: ۱۰۸
- ۲۵۔ محمد حسن، قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، بار اول، ۱۹۸۶ء، ص: ۲۱۵
- ۲۶۔ ابوالخیر کشتی، اردو شاعری کا سیاسی و تاریخی پس منظر (۱۷۰۷ء-۱۸۵۷ء)، ادبی پبلشرز، کراچی، اگست ۱۹۷۵ء، ص: ۱۰۰
- ۲۷۔ خان رشید، اردو کی تین مثنویاں، ص: ۱۶۵
- ۲۸۔ محبوب علی قریشی، اردو مثنویوں میں جنسی تلذذ، تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۴۱
- ۲۹۔ تبسم کشمیری، اردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۷۲
- ۳۰۔ سعید، م۔ ن، حیات و جہی، موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء، ص: ۸۳
- ۳۱۔ محمد مرتاض الدین، قطب مشتری، مشمولہ آجکل، شمارہ ۳۲-۲۸، دہلی، جون ۱۹۵۹ء، ص: ۳۲